ڈاکٹر سید معصوم رضا

شیخ عقیل احمد: صاحب اسلوب تنقید نگار

اردو ادب میں عصر حاضر کے تناظر میں جو ادباء و ناقدین سرگرم نظر آتے ہیں ان میں سے زیادہ تر لکیر کے فقیر ہیں۔ وہ پرانی شراب کو نئی بوتل میں پیش کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ بعض حضرات اپنا وجود باقی رکھنے کے لیے ہی سہی یا پھر نوکری کی مجبوریوں اور پابندیوں کو پورا کرنے کے لیے کچھ پڑھنے یا لکھنے کا کام کرتے ہیں لیکن معاملہ وہی ڈھاک کے تین پات والا ہے۔ تخلیقی ادب کے بدلے ادب کی اسمگلنگ کا سلسلہ جاری ہے۔ کچھ لوگ اسی میں کامیاب ہیں لیکن ہر دور میں ایسے بھی کچھ لوگ منظر عام پر گاہے بگاہے نظر آتے ہیں جو نہ تو مشاعروں اور سمیناروں کی زینت ہوتے ہیں نہ ہی کسی گروپ یا ریکٹ کی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے ادب کے خادم بنے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کوئی فہرست مرتب کی جائے جنہوں نے عصر حاضر میں تخلیقی ادب کے زمرے میں بیش قیمتی اضافے کیے ہیں نہ صرف اضافے بلکہ نادر اور نایاب موضوعات کے خزانے کو مالا مال کیا ہے تو بلاشبہہ اس میں ایک اہم نام شیخ عقیل احمد کا ہے جو درس و تدریس سے وابستہ ہیں اور دہلی یونیورسٹی کے ستیہ وتی کالج میں اسوسیئٹ پروفیسر کے عہدے پر فائز ہیں۔ ان کے ادبی ذوق وشوق پر نظر ڈالیں تو وہ بالکل جداگانہ ہیں۔ انہوں نے درس و تدریس کی مجبوریوں کے تحت کوئی تخلیقی کام انجام نہیں دیا بلکہ وہ ایسے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں جس پر کچھ بھی لکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ان کے ہم عصروں میں یہ رواج عام نہیں ہے نہ اردو ادب میں ایسے موضوعات مستعمل ہیں بلکہ ادب کے اس نخلستان میں ان کا نہ کوئی ہم سفر ملتا ہے اور نہ دور دور تک کسی مسافر کے آنے کی کوئی امید کی جاسکتی ہے۔ جن موضوعات پر پروفیسر شکیل الرحمٰن، پروفیسر محمد حسن اور پروفیسر شارب ردولوی وغیرہ نے قلم فرسائی کی ہے شیخ عقیل احمد بھی انہیں کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں لیکن ان کا اپنا ایک ویژن ہے جس کی انفرادیت انہیں ادبی استحکام سے ہم کنار کرتی ہے۔ یوں تو اردو زبان وادب میں اردو کتابوں کی اشاعت کا انبار ہے کسمپرسی کے زمانے میں بھی خوبصورت کتابیں منظر عام پر آرہی ہیں۔ یہ سلسلہ عموماً جاری وساری ہے لیکن ان میں کچھ ہی کتابیں ایسی ہیں جن کو دستاویزی حیثیت حاصل ہے جو زبان و بیان اور موضوع کے اعتبار سے کافی اہم ہیں۔ ڈاکٹر شیخ عقیل احمد بھی غالب کے اس شعر کے قائل نظر آتے ہیں۔

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ سے ہی نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

شیخ عقیل احمد کی تقریباً ایک درجن تحقیقی وتنقیدی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ جن میں ''غزل کا عبوری دور''، ''فن تضمین نگاری: تنقید و تجزیہ''، ''مغیث الدین فریدی اور قطعات تاریخ''، ''ادب، اسطور اور آفاق''، ''مغیث الدین فریدی کا تخلیقی کینوس'' قابلِ ذکر ہیں۔

شیخ عقیل احمد کا تعلق اردو زبان وادب سے ضرور ہے لیکن ان کا انگریزی مطالعہ بھی وسیع ہے وہ انگریزی ادب اور انگریزی تنقید کے حوالے سے جو مثال پیش کرتے ہیں وہ ان کے عمیق مطالعہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اردو ادب کا براہ راست تعلق نہ سہی لیکن بالواسطہ تعلق انگریزی ادب سے بھی ہے۔ عصر حاضر میں ایسے ناقدین کا فقدان ہے جو انگریزی تنقید نگاری کا بخوبی مطالعہ کرتے ہوں اور اسے اردو ادب میں فکری سطح پر منتقل بھی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے مضامین میں ایسے ایسے حوالے ملتے ہیں جن سے عام ناقدین ناواقف ہوتے ہیں۔ شیخ عقیل احمد کی یوں تو ہر تخلیق قابلِ ستائش ہے

لیکن عام روایت سے ہٹ کر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ''ادب، اسطور اور آفاق'' ہے جس کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے کہ ''ادب، اسطور اور آفاق میں شامل بیشتر مضامین بالکل نئے ہیں جو اساطیری، فلسفیانہ، صوفیانہ اور Interdisciplinary مطالعات پر مبنی ہیں۔''

کتاب میں شامل پہلا مضمون اقبال اور کالی داس کی شاعری میں فطرت کے متعلق فلسفیوں اور صوفیوں کے خیالات کیا ہیں، اردو اور سنسکرت کے ان دو عظیم شاعروں نے فطرت اور کائنات کو کس نظر سے دیکھا اور اس کے حسن کی منظر کشی کی۔ مصنف نے خود بھی اس مضمون کی تعریف کی اس لیے بجا طور پر ایک مضمون ہے لیکن اس کے علاوہ بھی مصنف نے اپنی انفرادی کوشش سے جو تجربے کیے ہیں اس میں شموئل احمد کے افسانوں میں علم نجوم کی معنویت قابلِ غور ہے۔ غالباً اردو ادب کی یہ باضابطہ پہلی تحقیق ہوگی جس میں افسانہ اور نجوم کے اختلاط کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ شموئل احمد نے علم نجوم کے وسیلے سے اپنے افسانوں کا پلاٹ کیا اور کردار کی راشی کے مطابق ہی انہیں ڈھالنے کی کوشش کی ہے جو بلاشبہہ نوبل ورک ہے۔ اس میں ایک اضافہ اگر یہ کر دیا جائے کہ شموئل احمد کے افسانوں کو قاری نے جس انداز میں پڑھا محسوس کیا وہ ان کا اپنا ظرف ہے لیکن شیخ عقیل احمد نے اسے اپنی پارکھی نظر سے دیکھا اور عرقریزی سے پڑھا اور اس کے علم نجوم کے پہلو کو اجاگر کیا یہ بات زیادہ اہمیت کی حامل ہے یہ اردو فکشن کی تنقید میں بلاشبہہ ایک اہم اضافہ ہے۔ اس کے علاوہ سماجی ہم آہنگی اور صوفیانہ افکار میں فلسفیوں اور صوفیوں کے حوالوں کی روشنی میں جس طرح قدرت کے نظام میں موجود ہم آہنگی کو سمجھانے کی کوشش کی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

> ''ہیگل، بریڈلے، بوزانکے، رائیس، کروچے اور جنٹائل وغیرہ فلسفیوں نے کائنات کے بارے میں بنیادی طور پر اس بات پر متفق تھے کہ مبداءِ کائنات روح و عقل ہے اور اس بات پر بھی متفق تھے کہ تمام کائنات میں ایک عضویاتی وحدت (Organic Unity) موجود ہے اور یہ کہ اس وحدت میں پوری مقصدیت اور مفہوم ہے۔ کائنات کے صدرالصدور میں اور قلب انسانی میں ایک طرح کا ''آہنگ فی البطن'' (Self -Harmony) ہے۔ مادیت کی اس تنظیم کے پس پشت ایک روحیتی ترتیب، ایک آہنگ و توازن پایا جاتا ہے۔ فطرت میں جو ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اس کی وضاحت علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں اس طرح کی ہے:
>
> فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
> آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن
>
> دنیا کے تمام مقدس یا آسمانی کتابوں میں بھی اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک خاص نظام کے تحت اس کائنات کی تخلیق کی اور تخلیق کردہ موجودات میں ہم آہنگی پیدا کی۔ مثلاً چاند، سورج اور زمین اپنے اپنے مدار میں ایک دوسرے کی گردش ایک نظام کے تحت کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے صبح ہوتی ہے، دن ہوتا ہے، شام ہوتی ہے پھر رات ہوتی اور یوں ہی وقت گزرتا رہتا ہے یعنی ان تینوں سیاروں میں بھی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور ان میں ہونے والے تغیرات کے اثرات بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر بے شمار چیزوں پر پڑتے ہیں مثلاً ان تمام سیاروں میں ہونے والے تغیرات اور جائے مقام (Location) کے اثرات انسانی زندگی پر بھی پڑتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں کی چال اور ان کے جائے مقام (Location) میں بھی ہم آہنگی ہوتی ہے۔ ان سیاروں کی گردش سے اوقات میں تبدیلی آتی ہے اور تبدیلیٔ اوقات سے موسم بدلتے ہیں اور پھر موسموں کی تبدیلی سے

> پھل، پھول اور غلّوں کے بے شمار اقسام کی پیداوار ہوتی ہے۔ الغرض آسمان، زمین اور سمندر میں پائی جانے والی ایسی کوئی چیز نہیں ہے جن کا رشتہ دوسری چیزوں سے نہ ہو اور ان میں ہونے والے تغیرات کے اثرات ایک دوسرے پر نہ پڑتے ہوں اور ان تمام چیزوں میں ہم آہنگی نہ پائی جاتی ہو۔ لہٰذا کائنات میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے انسانی رشتے بھی قائم نہ ہوسکیں۔''

اس کتاب میں شہاب جعفری کی شاعری کے تعلق سے دو مضامین شامل ہیں۔ ''شہاب جعفری: سرّ آدمیت کا رمز شناس'' اور ''شہاب جعفری کی شاعری میں سورج کا علامتی اور اسطوری اظہار''۔ شہاب جعفری نے ترقی پسندی کے دور میں شاعری شروع کی لیکن وہ روایت سے انحراف کے قائل تھے اور نئے نئے تجربے کرتے رہتے تھے اس لیے ان کی زیادہ تر نظمیں بیانیہ ہوتی تھیں۔ انہوں نے دیومالائی تمثیل کے سانچے میں اپنی نظموں کو ڈھال کر قاری کے حوالے کر دیا استعارہ اور علامت کے طور پر سورج، چاند، سمندر اور پانی وغیرہ کا استعمال کیا اور اسے ایک نئی پہچان دینے کی کوشش کی ہے جس کا ذکر ان کی نظموں میں موجود ہے۔ شہاب جعفری کی نظموں کا قدرے تفصیل سے تجزیہ کر کے شیخ عقیل احمد نے اردو نظم نگاری کے ذخیرے میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے جو مضامین لکھے ہیں وہ تمام عام ڈگر سے ہٹ کر لکھے ہیں۔ مثلاً ٹیگور کا فلسفۂ زندگی، آئینہ عکس سخن میں، تہذیب جنوں اور مغیث الدین فریدی وغیرہ۔

پروفیسر شکیل الرحمٰن کے مضامین کے حوالے سے جمالیات پر شیخ عقیل احمد نے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اساطیر کی جہات، امیر خسرو کی جمالیات، قلی قطب شاہ کی جمالیات، ترجمان القرآن کے اسلوب کی جمالیاتی معیار، اردو کی کلاسیکی مثنویوں میں فنتاسی کا جمال، مثنوی چراغِ دہر: تحیر کی جمالیات کی ایک مثال اور روشنی کی جمالیات جیسے اہم مضامین کو موضوع بنایا گیا ہے جو پروفیسر شکیل الرحمٰن کا خاص میدان ہے۔ جمالیات کی وسعت کو خدا کے کثیر الجہات صفات سے تعبیر کی گئی ہے اور فنون لطیفہ کے جوہر کی دریافت کا ایک آلہ کار تصور کیا گیا ہے۔ شیخ عقیل احمد نے شکیل الرحمٰن کی جمالیاتی ویژن پر تبصرہ کرتے ہوئے جمالیات کے جوہر کی وضاحت اس طرح کی ہے:

> ''جمالیات ایک ایسی اصطلاح ہے جس کی تعریف و توضیح پیش کرنا انتہائی مشکل کام ہے کیوں کہ اس میں اتنی تہیں اور جہتیں پائی جاتی ہیں کہ ان کی تہوں اور جہتوں کو کھولنا اور ان پر روشنی ڈالنے کا کام کبھی ختم نہیں ہوسکتا ہے۔ کوئی ماہرِ جمالیات اس کی تہوں کو اتنا ہی کھول سکتا ہے اور اس پر روشنی ڈال سکتا ہے جتنا اس کا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع ہوگا۔ شکیل الرحمٰن نے فیثا غورث، سقراط، ارسطو، لیونارڈ، بوآئیلو (Boileau)، بام گارٹن (Baumgarten)، ہیگل، نوالس (Novalis)، چرنی شاسکی (Chernyshoiski) اور بلسکی (Belinsky) وغیرہ جیسے فلسفیوں کی نظریات پر تبصرہ کرتے ہوئے جمالیات کی جو توضیح و تشریح پیش کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح کثیر الجہات صورت میں مظاہر قدرت ہے اور سمٹی ہوئی حالت میں خدائے واحد کے مترادف ہے جس کی تعریف، توضیح اور تشریح جتنی بھی کی جائے کم ہے۔''

مشرقی شعریات کی جمالیات پر شکیل الرحمٰن کو دسترس حاصل ہے۔ انہوں نے سنسکرت شعریات میں جمالیات کے جوہر اور راگ راگنیوں کا ذکر بھی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ سرنگار رس کے تعلق سے بھی معنی خیز بحث کی گئی ہے۔ ایسے موضوعات پر تنقیدی مضامین شکیل الرحمٰن جیسے ماہر جمالیات ہی لکھ سکتے تھے اور ان موضوعات پر تنقیدی تبصرہ کرنا بھی آسان کام نہیں ہے لیکن شیخ عقیل احمد کے فہم و ادراک کا ہی نتیجہ ہے کہ انہوں نے جمالیات کے بحر بیکراں میں غوطہ زنی کر کے ان موضوعات کی روح تک رسائی حاصل کی اور ان مضامین کے اصل جوہر کو قاری کے سامنے ایسے پیش کیا کہ قاری انہیں پڑھے بغیر نہیں

رہ سکتا۔مثلاً پروفیسر شکیل الرحمٰن نے روشنی کی جمالیات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ عشق سے روشنی کا شعور حاصل ہوا اور تنویر نگاہ سے کائناتی جلوؤں کی پہچان ہوئی اور لامکاں کی روشنیوں کا ادراک حاصل ہوا۔شیخ عقیل احمد نے شکیل الرحمٰن کے فلسفیانہ توضیح کی تائید کرتے ہوئے روشنی اور نور کی مزید فلسفیانہ توضیح پیش کر کے شکیل الرحمٰن کے مضمون کی معنویت اور افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔انہوں نے لکھا ہے:

> ''شکیل الرحمٰن نے اقبال کی شاعری میں استعارہ کے طور پر روشنی کے استعمال کی فلسفیانہ توضیح پیش کی ہے۔دراصل اشراقی فلسفہ کے مطابق نور اعلیٰ تمام حرکات کا مبدا ہے اور حرکت کا سبب منور کرنے کی خواہش ہے اور یہی وہ خواہش ہے جو نور کو مضطرب کر دیتی ہے تا کہ یہ اپنی شعاعوں کو تمام چیزوں پر منعکس کر کے ان کی زندگی میں ایک روح پھونک دے۔اس سے جو تجلیات نمو کرتی ہیں ان کی تعداد لامحدود ہوتی ہے اور ایسی تجلیات جن کی روشنی شدید ہوتی ہے وہ دوسری تجلیات کا سرچشمہ بن جاتی ہیں۔گویا یہ کائنات ایک سایہ ہے ان بے پناہ تجلیوں کی شعاعوں کا جو نور اعلیٰ سے آتی ہیں۔کائنات کی اشیا میں ان تجلیوں کے سبب جن کی جانب یہ مستقل حرکت میں رہتی ہیں ایک عشق کا جذبہ نمو پاتا رہتا ہے تا کہ وہ حقیقی نور کے سرچشمہ سے مستفیض ہوتی رہیں۔یعنی یہ کارخانۂ عالم محبت وعشق کا ابدی ڈرامہ ہے۔اسی لئے شکیل الرحمٰن نے اشارہ کیا ہے کہ اقبال کی شاعری میں عشق ایک ہمہ گیر تخلیقی جذبہ ہے اور عشق کی گرمی سے ہی معرکۂ کائنات ہے۔''

شیخ عقیل احمد کی شخصیت اور ان کا فن ان کے استاد ڈاکٹر مغیث الدین فریدی سے کچھ اس طرح سے ہم آہنگ ہے کہ ان کی تحریر میں جا بجا فریدی صاحب کا انداز نظر آتا ہے۔نثر میں شاعری کا فن انہیں خوب آتا ہے۔مرسع نثری آہنگ ان کی تحریر کا خاصہ ہے جسے مشاہیر ادب ان کے استاد محترم کی تربیت کا فیضان تسلیم کرتے ہیں لیکن فکر وفن اور وضع داری کے ساتھ ساتھ ان کی ادبی وراثت کو بھی سنبھالنا انہیں بہتر ڈھنگ سے آتا ہے۔موضوع کی دلچسپی پر غور کریں تو فریدی صاحب بھی قطع تاریخ کے ماہر تھے اور شیخ عقیل اس فن کے نباض ہیں۔فریدی صاحب نے اساتذہ کے کلام پر تضمینیں لکھیں اور شیخ عقیل نے بھی تضمین نگاری پر باقاعدہ ایک کتاب لکھ ڈالی۔آداب واطوار میں بھی فریدی صاحب سے جو مماثلت ہے وہ یہ کہ درس وتدریس کو یہ اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں اور خوشامد پسندی سے کوسوں دور نظر آتے ہیں۔مغیث الدین فریدی سے متعلق ان کے مضامین اور کتابیں نہ صرف خراج عقیدت ہے بلکہ ایک خوبصورت اور بہترین سرمائے کی منتقلی بھی جو دوسروں سے ممکن نہیں تھی۔فریدی صاحب کے فن اور شخصیت سے بخوبی واقفیت کی وجہ سے ان پر لکھے گئے مضامین میں عقیدت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے لیکن جن لوگوں نے فریدی صاحب کو دیکھا ہے وہ یہی مانتے ہیں کہ حتی الامکان فریدی صاحب کی تحریری تصویر جو شیخ عقیل احمد نے بنائی ہے وہ ہو بہو ان سے مشابہ ہے۔ادبی فرائض کی انجام دہی تو زیادہ تر حضرات کرتے ہیں لیکن اسے جنون کی حد تک ادا کرنے کا فن شیخ عقیل احمد کو آتا ہے۔جنہوں نے حق شاگردی کا فن کچھ اس طرح ادا کیا کہ اپنی استادانہ حیثیت کا لوہا منوالیا۔درس وتدریس سے وابستگی اردو ادب کے مشاعرے، دہلی کے مشاہیر ادب اور ہم عصروں سے روابط کی بنیاد پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ شیخ عقیل احمد کی رفتار بھلے ہی دھیمی ہو لیکن وہ مسلسل ادب کی تحقیق وتخلیق اور تلاش وجستجو میں سرگرم رہتے ہیں۔وہ دنیا کی چکاچوند سے ناآشنا نہیں ہیں بلکہ اپنے حسن وسلوک اور انداز بیان کی وجہ سے اردو ادب میں انہیں جو مقام حاصل ہے اس کا اندازہ ساحل کے کنارے پر کھڑے ہو کر لگانا ممکن نہیں ان کی تحریری لطافتوں کے تیز بہاؤ میں اتر کر موجوں سے ہمکنار ہو کر ہی کچھ کہا جا سکتا ہے اردو ادب میں ان کی چند خشک موضوعات پر لکھی گئی کتابوں کو پڑھنے کا فن جسے آئیگا وہی ان کی فنکارانہ حیثیت اور اہمیت وافادیت کا اعتراف کرے گا۔

Flat No: F01,Plot No:B-1/154, DLF Colony Dilshad Extn-II,
Bhopra, Sahibabad, Ghaziabad-201005, Mobile No: 09811914130